اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی

(۳)

زندگی کا اسلامی تصور

گذشتہ دو صحبتوں میں اسلام کے تصور حیات دنیا کی جو تحلیل کی گئی ہے اس سے وہ تمام اجزا آپ کے سامنے آگئے ہیں جن سے یہ تصور مرکب ہے۔ اب تحلیل و تجزیہ کے پہلو کو چھوڑ کر ترکیب و تالیف کے پہلو پر نظر ڈالئے اور یہ دیکھئے کہ ان متفرق اجزا کے ملنے سے جو کلی تصور حاصل ہوتا ہے وہ کس حد تک فطرت اور واقعہ کے مطابق ہے؟ اور دنیوی زندگی کے متعلق دوسری تہذیبوں کے تصورات کی نسبت سے اس کا کیا مرتبہ ہے؟ اور اس تصور حیات پر جس تہذیب کی بنیاد قائم ہو وہ انسان کے فکر و عمل کو کس سانچے میں ڈھالتی ہے؟

زندگی کا فطری تصور تھوڑی دیر کے لئے اپنے ذہن کو تمام ان تصورات سے جو دنیا اور حیات دنیا کے متعلق مختلف مذاہب نے پیش کئے ہیں خالی کر کے ایک مبصر کی حیثیت سے اپنے گرد و پیش کی دنیا پر نگاہ ڈالئے اور غور کیجئے کہ اس پورے ماحول میں آپ کی حالت کیا ہے۔ اس مشاہدہ میں آپ کو چند باتیں واضح طور پر نظر آئیں گی۔

آپ دیکھیں گے کہ جتنی قوتیں آپ کو حاصل ہیں ان کا دائرہ محدود ہے۔ آپ کے حواس جن پر آپ کے علم کا انحصار ہے آپ کے قریبی ماحول کی حدود سے آگے نہیں بڑھتے۔ آپ کے جوارح جن پر آپ کے عمل کا انحصار ہے بہت تھوڑی سی اشیاء پر دسترس رکھتے ہیں۔ آپ کے گرد و پیش بے شمار ایسی چیزیں ہیں جو آپ سے جسم اور طاقت میں بڑھی ہوئی ہیں اور ان کے مقابلہ میں آپ کی ہستی نہایت حقیر اور کمزور نظر آتی ہے۔ دنیا کے اس بڑے کارخانے میں جو زبردست قوتیں کارفرما ہیں ان میں سے کوئی بھی آپ کے دست قدرت میں نہیں ہے اور آپ ان قوتوں کے مقابلہ میں اپنے

آپ کو بے بس پاتے ہیں جسمانی حیثیت سے آپ ایک متوسط درجے کی ہستی رکھتے ہیں جو اپنے سے چھوٹی چیزوں پر غالب اور اپنے سے بڑی چیزوں سے مغلوب ہے

لیکن ایک اور قوت آپ کے اندر ایسی ہے جس نے آپ کو ان تمام چیزوں پر شرف عطا کر دیا ہے اسی قوت کی بدولت آپ اپنی جنس کے تمام حیوانات پر قابو پا لیتے ہیں اور ان کی جسمانی طاقتوں کو جو آپ کی جسمانی طاقت سے بہت بڑھی ہوئی ہیں مغلوب کر لیتے ہیں اسی قوت کی بدولت آپ اپنے گرد و پیش کی چیزوں میں تصرف کرتے ہیں اور ان سے اپنی مرضی کے مطابق خدمت لیتے ہیں اسی قوت کی بدولت آپ طاقت کے نئے نئے خزانوں کا پتہ چلاتے ہیں اور ان کو نکال کر نئے نئے طریقوں سے استعمال کرتے ہیں اسی قوت کی بدولت آپ اپنے وسائلِ اکتسابِ علم کو وسعت دیتے ہیں اور ان چیزوں تک رسائی حاصل کرتے ہیں جو آپ کے طبیعی قویٰ کی دسترس سے باہر ہیں۔ غرض ایک قوت ہے جس کی بدولت تمام دنیا کی چیزیں آپ کی خادم بن جاتی ہیں اور آپ ان کے مخدوم ہونے کی حیثیت حاصل کرتے ہیں۔

پھر بہ نگاہ ہی کی وہ بالاتر قوتیں بھی جو آپ کے دستِ قدرت میں نہیں ہیں اس ڈھنگ پر کام کر رہی ہیں، کہ بالعموم وہ آپ کی دشمن و مخالف نہیں بلکہ آپ کی مددگار اور آپ کے مفاد و مصلحت کی تابع ہیں ہوا، پانی، روشنی، حرارت، اور ایسی ہی دوسری قوتیں جن پر آپ کی زندگی کا انحصار ہے کسی ایسے نظام کے ماتحت عمل کر رہی ہیں جس کا مقصد آپ کی مساعدت کرنا ہے اور اسی بنا پر آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ سب آپ کے لئے مسخر ہیں۔

اپنے اس ماحول پر جب آپ ایک عمیق نگاہ ڈالتے ہیں تو آپ کو ایک زبردست قانون کارفرما نظر آتا ہے جس کی گرفت میں حقیر ترین ہستیوں سے لیکر عظیم ترین ہستیاں تک یکساں جکڑی ہوئی ہیں، اور جس کے ضبط و نظم پر تمام عالم کے بقا کا انحصار ہے۔ آپ خود بھی اس قانون کے تابع ہیں، مگر آپ میں اور دوسری اشیاء عالم میں ایک بڑا فرق ہے۔ دوسری تمام چیزیں اس قانون کے خلاف حرکت کرنے پر ذرہ برابر قدرت نہیں رکھتیں لیکن آپ کو اس کے خلاف چلنے کی قدرت حاصل ہے یہی نہیں بلکہ جب آپ اس کے خلاف چلنا چاہتے ہیں تو وہ قانون اس خلاف ورزی میں بھی آپ کی مساعدت کرتا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ہر ایسی خلاف ورزی اپنے ساتھ کچھ مضرتیں رکھتی ہے اور کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ آپ اس کی مخالفت کرنے

کے بعد اس کے برے اثرات سے بچ جائیں۔

اس عالمگیر و سائل قانون کے تحت دنیا میں کون و فساد کے مختلف مظاہر آپ کو نظر آتے ہیں۔ تمام عالم میں بننے اور بگڑنے کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہے جس قانون کے تحت ایک چیز کو پیدا اور پرورش کیا جاتا ہے اسی قانون کے تحت اس کو مٹایا اور ہلاک بھی کر دیا جاتا ہے۔ دنیا کی کوئی شے اس قانون کے نفاذ سے محفوظ نہیں ہے۔ بظاہر جو چیزیں اس سے محفوظ نظر آتی ہیں اور جن پر استمرار و دوام کا شبہ ہوتا ہے ان کو بھی جب آپ تعمق کی نظر سے دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حرکت و تغیر کا عمل ان میں بھی جاری ہے۔ اور کون و فساد کے چکر سے ان کو بھی نجات حاصل نہیں ہے۔ چونکہ کائنات کی دوسری چیزیں شعور و ادراک نہیں رکھتیں، یا کم از کم ہم کو اس کا علم نہیں ہے کہ ان میں شعور و ادراک ہے یا نہیں، اس لیے ہم ان کے اندر اس بننے اور بگڑنے سے کسی لذت و الم کا اثر محسوس نہیں کرتے اور اگر انواع حیوانی میں اس کا اثر محسوس ہوتا بھی ہے تو وہ بہت محدود ہوتا ہے۔ لیکن انسان جو ایک صاحب شعور و ادراک ہستی ہے اپنے گرد و پیش ان تغیرات کو دیکھ کر لذت و الم کے شدید اثرات محسوس کرتا ہے۔ کبھی مناسب طبع امور سے اس کی لذت اتنی شدید ہو جاتی ہے کہ وہ اس کو بھول جاتا ہے کہ اس دنیا میں فساد بھی ہے اور کبھی مخالف طبع امور سے اس کا الم اتنا شدید ہو جاتا ہے کہ اس دنیا میں اسے نرا فساد ہی فساد نظر آنے لگتا ہے، اور وہ بھول جاتا ہے کہ یہاں کون بھی ہے۔

مگر خواہ آپ کے اندر لذت اور الم کے کیسے ہی متضاد احساسات ہوں اور ان کے زیر اثر دنیوی زندگی کے متعلق آپ کا نظریہ کتنا ہی افراط یا تفریط کی طرف مائل ہو، بہرحال آپ اپنی جبلت سے مجبور ہیں کہ اس دنیا کو جیسی بھی یہ ہے، عملاً برتیں اور ان قوتوں سے جو آپ کے اندر موجود ہیں کام لیں۔ آپ کی جبلت میں زندہ رہنے کی خواہش موجود ہے اور اس خواہش کو پورا کرنے کے لیے آپ کے اندر بھوک کی ایک زبردست قوت رکھ دی گئی ہے جو دائماً آپ کو عمل پر مجبور کرتی رہتی ہے۔ فطرت کا قانون آپ کی نوع کے استمرار کے لیے آپ سے خدمت لینا چاہتا ہے اور اس کے لیے اس نے شہوت کی ایک ناقابل دفع قوت آپ کے اندر رکھ دی ہے جو آپ سے اپنا مقصد پورا کرا کے ہی چھوڑتی ہے۔ اسی طرح آپ کی جبلت میں کچھ دوسرے مقاصد کے لیے کچھ اور قوتیں بھی رکھ دی گئی ہیں اور وہ سب آپ سے زبردستی اپنا کام لیتی ہیں۔ اب یہ آپ کی اپنی

فراست و دانائی پر موقوف ہے کہ فطرت کے ان مقاصد کی خدمت اچھے طریقے سے انجام دیں یا برے طریقے سے بطیب نفس انجام دیں یا بجبر و اکراہ یہی نہیں بلکہ خود فطرت ہی نے مخصوص طور پر آپ کو یہ قدرت بھی عطا کی ہے کہ ان مقاصد کی خدمت انجام دیں یا نہ دیں لیکن اس کے ساتھ ہی اس فطرت کا قانون یہ بھی ہے کہ اس کی خدمت بجا لانا اور اچھے طریقے سے بطیب نفس بجا لانا آپ کے لئے مفید ہوتا ہے اور اگر آپ اس سے روگردانی کریں۔ یا اگر اس کی متابعت کریں بھی تو بری طرح کریں تو یہ خود آپ ہی کے لئے مضر ہوتا ہے۔

مختلف مذاہب کے تصورات

ایک صحیح الفطرت اور وسیع النظر آدمی جب دنیا پر نظر ڈالے گا اور اس دنیا کی نسبت سے اپنی حالت پر غور کرے گا تو وہ تمام پہلو اس کی نگاہ کے سامنے آجائیں گے جو اوپر بیان کئے گئے ہیں لیکن نوع انسانی کے مختلف گروہوں نے اس مرقع کو مختلف گوشوں سے دیکھا ہے، اور اکثر ایسا ہوا ہے کہ جس کو جو پہلو نمایاں نظر آیا، اس نے حیات دنیا کے متعلق اسی پہلو کے لحاظ سے ایک نظریہ قائم کر لیا، اور دوسرے پہلوؤں پر نگاہ ڈالنے کی کوشش ہی نہیں کی۔

مثال کے طور پر ایک گروہ نے انسان کی کمزوری اور بے بسی اور اس کے مقابلہ میں فطرت کی بڑی بڑی طاقتوں کی شوکت و جبروت کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکالا کہ دنیا میں وہ ایک نہایت ہی حقیر ہستی ہے اور یہ نافع و ضار قوتیں جو دنیا میں نظر آتی ہیں کسی عالمگیر قانون کی تابع نہیں ہیں بلکہ خود مختار یا نیم خود مختار قوتیں ہیں یہ تخیل ان کے ذہن پر اتنا غالب ہوا کہ وہ پہلو جس سے تمام کائنات پر انسان کو شرف و مزیت حاصل ہے، ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا وہ اپنی ہستی کے روشن پہلو کو بھول گئے، اور اپنی عزت و بزرگی کے احساس کو انہوں نے اپنی کمزوری و ناتوانی کے مبالغہ آمیز اعتراف پر قربان کر دیا، بت پرستی شجر پرستی ستارہ پرستی اور دوسرے قوائے فطرت کی پرستش اسی نظریہ کی پیداوار ہے۔

ایک دوسرے گروہ نے دنیا کو اس نظر سے دیکھا کہ اس میں بس فساد ہی فساد ہے۔ تمام کارخانہ ہستی اس لئے چل رہا ہے کہ انسان کو تکلیف و رنج و الم پہنچائے۔ دنیا کے جتنے تعلقات اور روابط ہیں سب انسان کو پریشانیوں اور مصیبتوں میں پھانسنے والے پھندے ہیں۔ ایک انسان پر ہی کیا موقوف ہے۔ تمام کائنات خستگی اور ہلاکت کے پنجے میں گرفتار ہے

یہاں جو کچھ بنتا ہے بگڑنے کے لئے بنتا ہے۔ بہار اس لئے آتی ہے کہ خزاں اس کا چمن لوٹ لے، زندگی کا شجر اس لئے برگ و بار لاتا ہے کہ موت کا عفریت اس سے لطف اندوز ہو، بقا کا جمال سنور سنور کر اس لئے آتا ہے کہ فنا کے دیوتا کو اس سے کھیلنے کا خوب موقع ملے۔ اس تخیل نے ان لوگوں کے لئے دنیا اور اس کی زندگی میں کوئی دلچسپی باقی نہ چھوڑی اور انہوں نے اپنے لئے نجات کی راہ بس اسی میں دیکھی کہ دنیا سے کنارہ کش ہو جائیں، نفس کشی اور ریاضت سے اپنے تمام حسیات کو باطل کر دیں، اور فطرت کے اس ظالم قانون کو توڑ ڈالیں جس نے محض اپنے کارخانے کو چلانے کے لئے انسان کو آلۂ کار بنایا ہے۔

ایک اور گروہ نے دنیا کو اس نظر سے دیکھا کہ اس میں انسان کے لئے لذت و عیش کے سامان فراہم ہیں اور اس کو ایک تھوڑی سی مدت ان سے لطف اندوز ہونے کے لئے مل گئی ہے۔ تکلیف اور الم کا احساس ان لذتوں کو بدمزہ کر دیتا ہے۔ اگر انسان اس احساس کو باطل کر دے، اور کسی چیز کو اپنے لئے موجب الم اور باعث تکلیف نہ رہنے دے تو پھر یہاں لطف ہی لطف ہے۔ اس کے لئے جو کچھ بھی ہے یہی دنیا ہے، اور اس کو جو کچھ مزے اڑانے ہیں اسی دنیوی زندگی میں اڑانے ہیں، موت کے بعد نہ وہ ہوگا نہ دنیا ہوگی نہ اس کی لذتیں ہوں گی، سب کچھ نسیاً منسیا ہو جائیگا۔

اس کے مقابلہ میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو دنیا اور اس کی لذتوں اور مسرتوں بلکہ خود دنیوی زندگی ہی کو سراسر گناہ سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک انسانی روح کے لئے دنیا کی مادی آلائشیں ایک نجاست اور ایک ناپاکی کا حکم رکھتی ہیں، اس دنیا کو برتنے اور اس کے کاروبار میں حصہ لینے اور اس کی لذتوں اور مسرتوں سے لطف اندوز ہونے میں انسان کے لئے کوئی پاکیزگی اور کوئی صلاح اور خیر نہیں ہے۔ جو شخص آسمانی بادشاہت سے بہرہ مند ہونا چاہتا ہو اسے دنیا سے الگ تھلگ رہنا چاہئے، اور جو دنیا کی دولت، حکومت، اور دنیوی زندگی کا لطف اٹھانا چاہتا ہو اسے یقین رکھنا چاہئے کہ آسمانی بادشاہت میں اس کے لئے کوئی حصہ نہیں ہے۔ پھر جب اس گروہ نے محسوس کیا کہ انسان اس دنیا کو برتنے اور اس کے دھندوں میں پھنسنے کے لئے اپنی جبلت سے مجبور ہے اور آسمانی بادشاہت میں داخل ہونے کا خیال خواہ کتنا ہی دلفریب ہو، مگر وہ اتنا قوی نہیں ہو سکتا کہ انسان اس کے بل پر اپنی فطرت کے اقتضاء کا مقابلہ

کرسکے، تو انہوں نے آسمانی بادشاہت تک پہنچنے کے لئے ایک قریب کا راستہ نکال لیا، اور وہ یہ تھا کہ ایک ہستی
کے کفارے نے ان سب لوگوں کو ان کے اعمال کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا ہے جو اس ہستی پر ایمان لائیں۔

ایک اور گروہ نے قانونِ فطرت کی ہمہ گیری کو دیکھ کر انسان کو ایک مجبورِ محض ہستی سمجھ لیا۔ اس نے
دیکھا کہ نفسیات، عضویات، حیاتیات اور قانونِ توریث کی شہادتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ انسان ہرگز
کوئی مرید و مختار ہستی نہیں ہے فطرت کے قانون نے اس کو بالکل جکڑ رکھا ہے وہ اس قانون کے خلاف نہ کچھ سوچ
سکتا ہے۔ نہ کسی چیز کا ارادہ کر سکتا ہے، اور نہ کوئی حرکت کرنے پر قادر ہے۔ لہذا اس پر اپنے کسی فعل کی ذمہ داری عائد
نہیں ہوتی۔

اس کے بالکل برعکس ایک گروہ کی نگاہ میں انسان نہ صرف ایک صاحبِ ارادہ ہستی ہے بلکہ وہ کسی بالاتر
ارادہ کا تابع، اور کسی اعلیٰ طاقت کا مطیع و فرمانبردار نہیں ہے اور نہ اپنے اعمال و افعال میں خود اپنے ضمیر یا انسانی حکومت
کے قانون کے سوا کسی کے آگے جواب دہ ہے۔ وہ اس دنیا کا مالک ہے۔ دنیا کی سب چیزیں اس کے لئے مسخر ہیں
اسے اختیار ہے کہ ان کو جس طرح چاہے برتے۔ اس نے اپنی زندگی کو بہتر بنانے اور اپنے اعمال و افعال میں ایک ضبط
و نظم پیدا کرنے کے لئے اپنی حیاتِ انفرادی پر خود ہی کچھ پابندیاں عاید کر لی ہیں مگر اجتماعی حیثیت سے وہ بالکل مطلق العنان
ہے اور کسی بالاتر ہستی کے آگے مسئول ہونے کا تخیل سرے سے لغو ہے۔

یہ دنیوی زندگی کے متعلق مختلف مذاہبِ فکر و رائے کے مختلف تصورات ہیں اور ان میں سے اکثر ایسے
ہیں جن پر مختلف تہذیبوں کی عمارتیں تعمیر ہوئی ہیں۔ ہر تہذیب کی عمارت میں جو مختلف طرز و انداز ہم کو نظر آ رہے ہیں
ان کے ایک مخصوص اور جداگانہ ہیئت اختیار کرنے کی اصلی وجہ یہی ہے کہ اس کی بنیاد میں دنیوی زندگی کا ایک خاص
تصور ہے جو اس مخصوص ہیئت کا مقتضی ہوا ہے۔ اگر ہم ان میں سے ہر ایک کی تفصیلات پر نظر ڈال کر یہ تحقیق کریں کہ انہوں نے
کس طرح ایک خاص طرز و انداز کی تہذیب پیدا کی ہے تو یہ یقیناً ایک دلچسپ بحث ہوگی لیکن یہ بحث ہمارے موضوع
سے غیر متعلق ہے کیونکہ ہم صرف اسلامی تہذیب کی خصوصیات کو نمایاں کرنا چاہتے ہیں یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ

زندگی کے یہ جتنے تصورات آپ کے سامنے بیان ہوئے ہیں، سب دنیا کو ایک خاص گوشۂ نظر سے دیکھنے کا نتیجہ ہیں۔ ان میں سے کوئی تصور ایسا نہیں ہے جو مجموعی حیثیت سے تمام کائنات پر ایک کلی نگاہ ڈالنے اور موجوداتِ عالم میں انسان کی صحیح حیثیت متعین کرنے کے بعد قائم کیا گیا ہو، اور یہی وجہ ہے کہ ہر تصور ہماری نظر میں باطل ہو جاتا ہے جب ہم اس کے زاویۂ نگاہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے زاویۂ نگاہ سے دنیا کو دیکھتے ہیں اور پھر دنیا کے کلی ملاحظہ کے بعد ان تمام تصورات کی غلطی ہم پر روشن ہو جاتی ہے۔

اسلامی تصور کی خصوصیت

اب یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ زندگی کے تمام تصورات میں صرف اسلام ہی کا تصور ایک ایسا تصور ہے جو فطرت اور حقیقت کے مطابق ہے، اور جس میں دنیا اور انسان کے تعلق کو ٹھیک ٹھیک ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ نہ تو دنیا کوئی ترک اور نفرت کے قابل چیز ہے اور نہ ایسی چیز ہے کہ انسان اس کا فریفتہ اور اس کی لذتوں میں گم ہو جائے۔ نہ وہ سراسر کون ہے، نہ سراسر فساد۔ نہ اس سے اجتناب درست ہے، اور نہ اس میں کلی انہماک صحیح۔ نہ وہ بالکل نجاست و آلودگی ہے اور نہ تمام تر پاکیزگی و طہارت۔ پھر اس دنیا سے انسان کا تعلق نہ اس قسم کا ہے جیسا ایک بادشاہ کا اپنی مملکت سے ہوتا ہے اور نہ اس قسم کا جیسا ایک قیدی کا اپنے قید خانے سے۔ نہ انسان اتنا حقیر ہے کہ دنیا کی ہر قوت اس کی مسجود ہو، اور نہ اتنا غالب و قاہر ہے کہ وہ دنیا کی ہر شے کا مسجود بن جائے۔ نہ وہ اتنا بے بس ہے کہ اس کا ذاتی ارادہ کوئی چیز ہی نہ ہو، اور نہ اتنا طاقتور ہے کہ بس اسی کا ارادہ سب کچھ ہو۔ نہ وہ عالمِ ہستی کا مطلق العنان فرمانروا ہے، اور نہ کروروں آقاؤں کا بیچارہ غلام۔ حقیقت جو کچھ ہے وہ ان مختلف اطراف و نہایات کے درمیان ایک متوسط حالت ہے۔

یہاں تک تو فطرت اور عقلِ سلیم ہماری رہنمائی کرتی ہے لیکن اسلام اس سے آگے بڑھتا ہے اور اس امر کا ٹھیک ٹھیک تعین کرتا ہے کہ دنیا میں انسان کا حقیقی مرتبہ کیا ہے؟ انسان اور دنیا کے درمیان کس نوع کا تعلق ہے؟ اور انسان دنیا کو برتے تو کیا سمجھ کر برتے؟ وہ یہ کہہ کر انسان کی آنکھیں کھول دیتا ہے کہ تو عام مخلوقات کی طرح نہیں ہے بلکہ روئے زمین پر رب العالمین کا ذمہ دار وائسرائے ہے۔ دنیا اور اس کی طاقتوں کو

تیرے لئے مسخر کیا گیا ہے، تو سب کا حاکم اور ایک کا محکوم ہے، سب کا فرماں روا اور صرف ایک کا تابع فرمان ہے۔ تجھے تمام مخلوقات پر عزت و شرف حاصل ہے مگر عزت کا صحیح استحقاق تجھے اس وقت حاصل ہو سکتا ہے۔ جب تو اس کا مطیع اور فرماں بردار رہو اور اس کے احکام کا اتباع کرے جس نے تجھے نیابت کا منصب عطا کر کے دنیا پر شرف بخشا ہے۔ دنیا میں تو اس لئے بھیجا گیا ہے کہ اس کو برتے اور اس میں تصرف کرے پھر تو اس دنیا کی زندگی میں جس طرح صحیح یا غلط عمل کریگا اس پر وہ اچھے یا برے نتائج مترتب ہوں گے جنھیں تو بعد کی زندگی میں دیکھے گا۔ لہٰذا دنیوی زندگی کی اس تھوڑی سی مدت میں تجھ کو اپنی شخصی ذمہ داری اور مسئولیت کا ہر لمحہ احساس رہنا چاہئے اور کبھی اس سے غافل نہ ہونا چاہئے کہ جو چیزیں رب العالمین نے اپنے نائب کی حیثیت سے تیری امانت میں دی ہیں۔ ان سب کا تجھ سے پورا پورا حساب لیا جائے گا۔

اس میں شک نہیں کہ یہ تصور اپنے جزئیات کے ساتھ ہر مسلمان کے ذہن میں حاضر نہیں ہے، اور نہ اہل علم کے مخصوص گروہ کے سوا کوئی ان جزئیات کا واضح ادراک رکھتا ہے لیکن چونکہ یہ تصور اسلامی تہذیب کی بیخ و بنیاد میں ممکن ہے اس لئے مسلمان کی سیرت اپنی اصلی شان اور اپنی حقیقی خصوصیات سے بہت کچھ عاری ہو جانے کے باوجود آج بھی اس کے اثرات سے خالی نہیں ہے ایک مسلمان جس نے اسلامی تہذیب کے ماحول میں تربیت پائی ہو، اس کا عمل خواہ بیرونی اثرات سے کتنا ہی ناقص ہو گیا ہو، لیکن خودداری و عزت نفس کا احساس خدا کے سوا کسی کے آگے نہ جھکنا خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرنا خدا کے سوا کسی کو اپنا مالک اور آقا نہ سمجھنا دنیا میں اپنے آپ کو شخصاً مسئول سمجھنا۔ دنیا کو دار العمل اور آخرت کو دار الجزا سمجھنا صرف اپنے ذاتی اعمال کے حسن و قبح پر اپنی آخرت کی کامیابی و ناکامی کو منحصر سمجھنا دنیا اور اس کی دولت و لذت کو ناپائیدار اور صرف اپنے اعمال اور ان کے نتائج کو باقی و دائم خیال کرنا، یہ ایسے امور ہیں جو اس کے رگ و پے میں اتر گئے ہوئے ہوں گے اور ایک عمیق النظر مبصر اس کی باتوں اور اس کی حرکات و سکنات میں اس عقیدے کے اثرات کو (خواہ وہ کتنے ہی دھندلے کیوں نہ ہوں) صاف محسوس کرے گا جو اس کی روح اور اس کے دل کی گہرائیوں میں اترے ہوئے ہیں

پھر جو شخص تہذیب اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کرے گا اسے یہ بات نمایاں طور پر محسوس ہوگی کہ اس میں

جب تک خالص اسلامیت رہی اس وقت تک یہ ایک خالص مثالی تہذیب تھی۔ اس کے پیرووں کے نزدیک دنیا آخرت کی کھیتی تھی اور وہ ہمیشہ اس کوشش میں رہتے تھے کہ دنیا میں جتنی مدت وہ زندہ رہیں اس کا ہر لمحہ اس کھیتی کے بونے اور جوتنے میں صرف کر دیں اور زیادہ سے زیادہ تخم ریزی کریں تاکہ بعد کی زندگی میں زیادہ سے زیادہ فصل کاٹنے کا موقع ملے۔ انہوں نے رہبانیت اور مادیت کے درمیان ایک ایسی معتدل و متوسط حالت میں دنیا کو برتا جس کا نام و نشان بھی ہم کو کسی دوسری تہذیب میں نظر نہیں آتا۔ خلافت الٰہی کا تصور ان کو دنیا میں پوری طرح منہمک ہونے اور اس کے معاملات کو انتہائی سرگرمی کے ساتھ انجام دینے پر ابھارتا تھا، اور اس کے ساتھ مسئولیت اور ذمہ داری کا خیال انہیں حد سے متجاوز بھی نہ ہونے دیتا تھا۔ وہ نائب خدا ہونے کی وجہ سے انتہا درجہ کے خوددار تھے، اور یہی تصور ان میں تکبر اور غرور کی پیدائش کو روکتا بھی تھا۔ وہ خلافت کے فرائض انجام دینے کے لئے ان تمام چیزوں کی طرف رغبت رکھتے تھے جو ذمہ داری کا کام چلانے کے لئے ضروری ہیں، مگر اس کے ساتھ ہی ان چیزوں کی طرف ان کو کوئی رغبت نہ تھی جو دنیا کی لذتوں میں گم کر کے انسان کو اس کے فرائض سے غافل کر دینے والی ہیں۔ غرض وہ دنیا کے کام کو اس طرح چلاتے تھے کہ گویا ان کو ہمیشہ یہیں رہنا ہے، اور پھر اس کی لذتوں میں منہمک ہونے سے اس طرح بچے رہتے تھے کہ گویا یہ دنیا ان کے لئے ایک سرائے ہے جہاں محض عارضی طور پر وہ مقیم ہو گئے ہیں۔

بعد میں جب اسلامیت کا اثر کم ہو گیا اور دوسری تہذیبوں سے متاثر ہو کر مسلمانوں کی سیرت میں پوری اسلامی شان باقی نہیں رہی تو انہوں نے وہ سب کچھ کیا جو دنیوی زندگی کے اسلامی تصور کے خلاف تھا۔ عیش و عشرت میں منہمک ہوئے، عالیشان قصر تعمیر کئے، موسیقی، مصوری، سنگ تراشی اور دوسرے فنون لطیفہ میں دلچسپی لی، معاشرت اور طرز بود و ماند میں اس اسراف اور اس شان و شکوہ کو اختیار کیا جو اسلامی مذاق کے بالکل خلاف تھی، اور حکومت و سیاست اور دوسرے دنیوی معاملات میں وہ طریقے اختیار کر لئے جو بالکل غیر اسلامی تھے، مگر اس کے باوجود دنیوی زندگی کا اسلامی تصور جو ان کے دل میں اترا ہوا تھا کہیں نہ کہیں اپنا اثر نمایاں کر کے رہتا تھا، اور یہی اثر ان کے اندر دوسروں کے مقابلے میں ایک امتیازی شان پیدا کر دیتا تھا۔ ایک مسلمان بادشاہ جمنا کے کنارے ایک عالیشان قصر

تعمیر کرتا ہے اور اس میں لطف و تفریح اور شان و شوکت کے وہ تمام سامان فراہم کرتا ہے جن کا انسان اس زمانہ میں تصور کرسکتا تھا مگر اس قصر کی سب سے زیادہ پرلطف تفریح گاہ میں پشت کی جانب (یعنی قبلہ کے رخ پر) یہ رباعی بھی کندہ کرتا ہے:-

اے بندپای قفل بر دل ہشدار   وے دوختہ چشم و پائے در گل ہشدار
عزم سفر مغرب در رو در مشرق   اے راہ رو پشت بمنزل ہشدار

وہ قصر اپنی جگہ بے نظیر نہیں ہے۔ اس سے بہتر قصر دنیا کی دوسری قوموں میں مل سکتے ہیں، مگر اس تخیل کی مثال دنیا کی کسی قوم میں نہیں مل سکتی جو روئے زمین پر فردوس بنانے والے کو "اے راہ رو پشت بمنزل ہشدار" کی تنبیہ کرتا ہے۔ اسلامی تاریخ میں اس قسم کی مثالیں بکثرت ملیں گی کہ قیصر و کسریٰ کے نمونوں پر بادشاہی کرنے والوں نے بھی جب کسی دشمن پر فتح پائی تو اپنی کبریائی کا اظہار کرنے کے بجائے خدائے واحد کے سامنے خاک پر سربسجود ہوگئے، بڑے بڑے جابر و گردن کش فرمان رواؤں نے جب شریعت اسلامی کے خلاف عمل کرنا چاہا تو کسی بندۂ خدا نے ان کو برملا ٹوک دیا اور وہ خوف خدا سے کانپ اٹھے۔ انتہا درجہ کے بدعمل اور سیہ کار لوگوں کو کسی ایک معمولی بات سے تنبیہ ہوگئی اور دفعتہً ان کی زندگی کا رنگ بدل گیا۔ دولت دنیا پر جان فدا کرنے والوں کے دل میں دنیا کی ناپائیداری اور آخرت کے حساب کتاب کا خیال آیا اور انہوں نے خدا کے بندوں پر سب کچھ تقسیم کرکے ایک متقیانہ زندگی اختیار کرلی۔ غرض ان تمام غیر اسلامی اثرات کے باوجود جو مسلمانوں کی زندگی میں پھیل گئے ہیں، آپ کو ہر قدم پر ان کی قومی سیرت میں اسلامی تصور کا جلوہ کسی نہ کسی شکل میں ضرور نظر آئے گا اور اس کو دیکھ کر آپ ایسا محسوس کریں گے کہ گویا اندھیرے میں دفعتاً روشنی نمودار ہوگئی۔

منظر الکرام

حیدرآباد دکن کے مشاہیر حاضرہ کا تذکرہ جس کو کتبخانہ معزز ارباب حکومت و تجارت کے اکثر دفاتر کے کتبخانوں کیلئے خرید جاچکا ہے۔ اس کے سوا کتب خانہ آصفیہ کتبخانہ جامعہ عثمانیہ کتبخانہ دارالترجمہ میں بھی کتاب خریدی گئی ہے سرکار عالی کے سررشتہ تعلیمات نے بذریعہ گشتی اس کتاب کو حوالہ جات کی ایک مفید کتاب قرار دیا ہے۔ قیمت چھ روپے

سید منظر علی و النفیر کلب خیریت آباد حیدرآباد

باغ جنت

از

مولانا عبداللہ العمادی

(۴)

دوسری تنقیح ھُمْ فِیْھَا خَالِدُوْنَ۔ یعنے اہل جنت ہمیشہ اسی میں رہیں گے ہے۔ خلود (ہمشگی) پر بڑا زور دیا گیا ہے کہ آیت میں جنت سے اگر جنت دنیا مراد ہوتی تو اس میں ہمشگی کی شرط کیوں کیجاتی۔ دنیا تو خود ناپائیدار ہے پھر اس کی نعمتیں کیونکر پائدار رہسکتی ہیں لیکن اصل میں یہ ایک طرح کی غلط فہمی ہے خلود کے معنی بقاے دوام کے نہیں ہیں بقاے طویل کے ہیں[1] امام رازی فرماتے ہیں۔

قَالَ اصحابنا الخلد ھو الثبات الطویل سواءٌ دام او لم یدم واحتجّوا فیہ بالایۃ والعرف اما الایۃ فقولہ تعالیٰ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا وَلَوْکَانَ التابید داخلاً فی مفھوم الخلد لکان ذالک تکرارا۔ واما العرف فیقال حبس فلان فلانًا حبسًا مخلدًا ولانہ یکتب فی صکوک الاوقاف وقف فلان وقفًا مخلدًا[2]

ہمارے علما کہتے ہیں کہ خلود (ہمشگی) کے معنے دیر تک پائدار رہنا ہے چاہے ہمیشہ ہمیشہ رہے یا نہ رہے اس باب میں قرآن و محاورۂ عرب کی دلیل لاتے ہیں قرآن کی دلیل تو یہ ہے کہ "بہشت میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہینگے" بقاے دوام کے معنی اگر ہمشگی کے مفہوم ہوتے تو دوبار ہمیشہ ہمیشہ کہنا کیا ضرور تھا محاورہ میں کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے فلاں کو ہمیشہ کے لئے بند رکھا ہے اور وقف ناموں میں لکھتے ہیں فلاں شخص نے ہمیشہ کیلئے جائداد وقف کی ہے[2] حالانکہ دنیا اور اسکی کوئی چیز بھی ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے

[1] سراج المنیر (طبع خیریۃ مصر) صفحہ ۳۲ جلد ۱ - [2] تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۲۳۵،